© rasailojaraid.com

خورشید احمد ندیم

چیئرمین ادارہ برائے تعلیم و تحقیق، اسلام آباد۔

ایک بامقصد زندگی کا اختتام

ڈاکٹر محمود احمد غازی رخصت ہوئے۔ ایک بامقصد اور بامعنی زندگی اپنے اختتام کو پہنچی۔ میری برسوں پر پھیلی یادیں اگر ایک جملے میں سمیٹ دی جائیں تو اس کا حاصل یہی جملہ ہے، لیکن غازی صاحب کے بارے میں ایک جملہ ایسا ہے کہ میں اس پر رشک کرتا ہوں۔ بہت سال ہوئے جب غازی صاحب کے ایک دیرینہ رفیق نے ان کے بارے میں مجھ سے کہا: ''میں نے علم اور تقویٰ کا ایسا امتزاج کم دیکھا ہے۔'' یہ بات کہنے والی شخصیت بھی ایسی ہے کہ میں ان کے علم اور تقویٰ دونوں پر بھروسہ کرتا ہوں۔ یہ گواہی وہ ہے جو یقیناً فرشتوں نے محفوظ کی ہوگی اور اللہ کے حضور میں ان شاء اللہ ان کی بلندئ درجات کا باعث بنے گی۔

غازی صاحب کے بارے میں، میں یہ اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں اب شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ان کی جگہ لے سکے۔ غازی صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو قدیم اور جدید کا ایک امتزاج تھے، تاہم ان کا جھکاؤ قدیم کی طرف رہتا تھا۔ یہ ان کی احتیاط کا اظہار تھا۔ دینی تفہیم و تعبیر کے معاملے میں وہ بالعموم اسلاف کی رائے کے قریب رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ محتاط روش یقیناً خیر کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں آپ کسی غلط رائے کا بار اپنے سر لینے سے محفوظ رہتے ہیں۔ تاہم ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ کسی موقف کو غلط سمجھتے ہوئے اُسے محض اس وجہ سے قبول کر لیں کہ وہ اسلاف کی رائے ہے۔ مثال کے طور پر وہ اکثر فقہا کی طرح عورت کی گواہی کو آدھی مانتے تھے، لیکن حدود کے مقدمات میں عورت کی گواہی کو قبول کرنے کے حق میں تھے۔ اس باب میں جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ وہ حدود میں عورت کی گواہی مطلقاً قبول نہیں کرتے۔

غازی صاحب ایک کثیر المطالعہ اور ہمہ جہتی علم کے حامل تھے۔ دین کے حوالے سے وہ متعدد علوم میں ایک استاد کی دسترس رکھتے تھے۔ میں نے انہیں بارہا سنا اور پڑھا۔ سیرتِ صحابہ پر وہ گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ انہوں نے حرفِ آخر کہہ دیا ہے۔ اقبال کی عالمانہ تخلیق ''جاوید نامہ'' کی انہوں نے تسہیل کی۔ یہ کتاب اقبال کے علم اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاعری کا ایک معجزہ ہے۔ اس میں اقبال نے اپنے پیر رومی کی معیت میں ایک روحانی سفر کیا ہے جس میں وہ متعدد افلاک پر جاتے ہیں اور ان شخصیات سے ہم کلام ہوتے ہیں جو دنیا سے رخصت ہو چکیں۔ یہ مختلف ادیان اور افکار کے نمائندہ لوگ ہیں۔ اب اقبال ان سے جو مکالمہ کرتے ہیں اور ان کی زبان سے جو کہلواتے ہیں، اس کی تفہیم ممکن نہیں اگر پڑھنے والا ان کے فکر اور فلسفے سے واقف نہیں۔ مثال کے طور پر وہ روس کے بڑے ادیب ٹالسٹائی کا انتخاب کرتے ہیں تو سوچنا پڑتا ہے کہ اس انتخاب کی وجہ کیا ہے۔ اسی طرح وہ ابوجہل سے ایک نوحہ کہلواتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے وہ کیا واقعہ پیش آیا جس نے ابوجہل کی دنیا اور آخرت برباد کر دی۔ غازی صاحب نے ''جاوید نامہ'' کے مضامین کو ایک عام آدمی کے لیے سہل بنا دیا۔ اس کے مطالعہ سے ایک عام پڑھا لکھا آدمی بھی فکرِ اقبال کی رنگا رنگی سے واقف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے بین الاقوامی قانون پر لکھا اور بہت عالمانہ انداز میں اس موضوع کو دیکھا۔ جنوبی ایشیا کی مسلم فکر پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا۔ ان کی آخری تصنیف عربی زبان میں شیخ احمد سرہندی پر تھی جو بیروت سے شائع ہوئی۔ غالباً برصغیر کی ایک بڑی شخصیت کا عربی زبان میں یہ پہلا مفصل تعارف ہے۔

فقہ سے انہیں فطری مناسبت تھی۔ یہ وہ موضوع ہے جس پر وہی کچھ کہنے کا مجاز ہے جو ایک طرف روایت سے اچھی طرح آگاہ ہو اور دوسری طرف اپنے عہد کے مسائل سے بھی واقف ہو۔ یہ ان کا منفرد اعزاز ہے کہ دین کے حوالے سے پاکستان میں جو اہم دستاویزات سامنے آئیں، ان میں کسی نہ کسی طرح غازی صاحب کا حصہ رہا۔ مثال کے طور پر قادیانیوں کے حوالے سے جو آئینی ترمیم کی گئی، اس کی تیاری میں وہ مولانا ظفر احمد انصاری کے معاون تھے۔ ضیاء الحق صاحب کے دور میں جو حدود قوانین ملک میں رائج ہوئے، وہ بڑی حد تک ان ہی کے تحریر کردہ تھے۔ وفات سے پہلے وہ وفاقی شرعی عدالت کے جج تھے۔ اس سے پہلے وہ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ میں تھے۔ یہ ملکی قانون اور فقہ میں ان کی دسترس کا اظہار ہے۔ تدریس کے باب میں بھی ان کی خدمات بے پناہ ہیں۔ انہوں نے بہت سے شاگرد چھوڑے ہیں جن کی حیثیت صدقہ جاریہ کی ہے۔ ان کی تعداد بہت ہے اور وہ ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس سال کے آغاز تک وہ قطر کی ایک یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے ہیں۔

اپنی طالب علمانہ سرگرمیوں میں، میں نے بارہا ان سے رجوع کیا اور ان کے علم سے فائدہ اٹھایا۔ میری کتاب ''علم کی اسلامی تشکیل'' کا مسودہ انہوں نے دیکھا اور اس کو بہتر بنانے کے لیے مشورے دیے۔ یہ ان کی شفقت کا ایک انداز تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ محض میری ذات تک محدود نہیں۔ نہیں معلوم کتنے لوگوں نے ان کے علم سے فائدہ اٹھایا اور آج ان کے ہاتھ اپنے پروردگار کے حضور میں ان کی مغفرت کے لیے اٹھے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سچ یہ ہے کہ وہ ایک کامیاب آدمی کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوئے جسے قرآن مجید نفس مطمئنہ کہتا ہے۔
رات گیارہ بجے کے قریب انہیں دل کا دورہ پڑا۔ہسپتال لے جایا گیا۔چند گھنٹے بعد انہیں ہوش آیا۔اپنے بھائی محمد غزالی صاحب سے کہا کہ وہ گھر جائیں، میں بھی صبح تک لوٹ آؤں گا۔فجر کی نماز کے لیے وضو کیا، بستر ہی پر نماز پڑھی اور تھوڑی دیر بعد اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ہم تفہیم مدعا کے لیے اسے موت کہتے ہیں، لیکن یہ ایک دنیا سے دوسری دنیا میں قدم رکھنا ہے۔وہ اپنے جسمانی وجود کے ساتھ اب یہاں نہیں ہیں، لیکن اپنی کتابوں، شاگردوں اور یادوں کے ساتھ یہیں ہیں، یہیں کہیں ہیں۔

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
مہ و ستارہ مثالِ شرارہ یک دو نفس
مئے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!

(بشکریہ روزنامہ اوصاف، اسلام آباد)

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے

محاضرات سیرت

اور دیگر اہم بیانات وخطبات

www.bhatkallys.com

پر سنے جا سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com